محمد حنیف ندوی

تاثرات

جنابِ بُدھ :

پچھلے دنوں سرکاری طور پر ہندوستان میں بُدھ کے یومِ ولادت کی تقریب دھوم دھام سے منائی گئی ہے اور اس کے افکار و تصورات پر متعدد پُرمغز مقالے پڑھے گئے ہیں۔ ان میں اکثر کی تان اس نکتہ پر ٹوٹتی ہے کہ بُدھ مت ہندو مذہب ہی کی ایک شاخ ثمردار ہے۔ اور اس کے حکیمانہ خیالات و عقائد بہرحال لائقِ ستائش ہیں۔ ہر ہر قوم کو مفاخر کی آزادی ہے۔ لیکن اگر ہندو مذہب کے معنی ایک ایسی تہذیب کے ہیں جس کو ہندوستان کی خیال آفریں سرزمین نے جنم دیا ہے۔ تو ہمیں اس دعوے کے مان لینے میں کوئی تامل نہیں۔ کہ بُدھ مذہب ہندو مذہب ہی کا ایک حصہ اور جزء ہے۔ اور اگر اس سے مراد ایک مخصوص نظامِ فکر ہے جس کی کچھ ہم رنگ اور ہم آہنگ خصوصیات ہیں۔ تو کہنے دیجئے، کہ دونوں میں جڑ اور اصول کا اختلاف ہے۔ یہی نہیں اگر فعل (ACTION) اور ردِ فعل (REACTION) کو ایک ہی حقیقت قرار نہیں دیا جا سکتا، تو بُدھ مذہب کے بارہ میں بھی یہ کہنا مشکل ہے کہ اس میں اور ہندو فلسفہ میں پوری پوری یگانگت پائی جاتی ہے۔ جن لوگوں نے مشرقی مذاہب کے تقابلی پہلوؤں پر غور کیا ہے، وہ اس رائے سے قطعی اتفاق کرینگے۔ کہ صاحبِ فکر اور نیک نفس بُدھ کو جس چیز نے غور و فکر، مجاہدہ و استغراق پر مجبور کیا، وہ برہمن ازم کی شدتیں ہی تو تھیں۔ اور زندگی سے متعلق ایسا جامد تصور ہی تو تھا۔ کہ جس میں روح و عمل کے پاکیزگی و بلندی کا کوئی سامان موجود نہ تھا۔

بُدھ کی فطری بصیرت نے ایسا مذہب تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، جس کی بنا اوہام و خرافات پر ہو۔ جو ایک انسان کو مختلف نسلی طبقوں میں بانٹ دے۔ اور قلب و ذہن پر چھائے ہوئے آلام و غموم کے ازالہ کی کوئی قابلِ فہم صورت اختیار نہ کرے۔ حالانکہ یہی مسئلہ مذہب کا اصلی مسئلہ تھا۔ کہ انسانی ذہن اور فکر کو کیونکر سکون و طمانیت کی دولت سے مالامال کیا جا سکتا ہے۔

تاریخ کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو، کہ جس مذہب کو آج سے سینکڑوں برس پیشتر ایک حریف و دشمن کی حیثیت سے جلاوطنی پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ آج اُسی کی تعریف میں قصائد مدحیہ تصنیف کئے جا رہے ہیں۔ اور جس فلسفہ کو ہندو مذہب کے خلاف سمجھ کر ٹھکرا دیا گیا تھا، آج اس پر فخر و ناز کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ تلافی مافات کی یہ شکل جتنی عجیب و غریب ہے، اتنی ہی عبرتناک بھی ہے۔

ہندو مذہب اور بُدھ مت میں بنیادی اختلاف روح کی بقاء و دوام کا ہے۔ وہ تمام مدرسہ ہائے فکر جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح ہندو خیالات و افکار سے رہا ہے، روح کو ایک الگ، قائم بالذات اور غیر فانی جوہر تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن بدھ مذہب کے

علماء کا یہ عقیدہ نہیں۔ ان کے نزدیک جس طرح کائنات کا ہر ہر ذرّہ بڑے سے بڑا مظہرِ وجود، اور پیکرِ ہستی تغیّر و فنا کی طرف بڑھ رہا ہے، اسی طرح روح بھی فانی ہے، متغیر ہے اور ختم ہونے والی ہے۔

بُدھ نے اخلاق سیرت کی سربلندی کے لئے، یا نجات اور نروان کے لئے، روح انسانی یا روحِ اعلیٰ کے وجود کو یکسر غیر ضروری تصوّر کیا ہے۔ بلکہ ایک بُدھ عالم کا تو یہ کہنا ہے، کہ رُوح کو فانی مان کر، صحت مند اخلاقیات کی بنیاد ہی نہیں رکھی جا سکتی۔ اس مذہب کی یہی وہ جدّت ہے۔ جو اہل مغرب کو اس حد بھا گئی ہے اور دوسرے عذاب کے برعکس یہی تنہا وہ نظامِ عقائد ہے کہ جس میں خدا اور معاد پر ایمان لائے بغیر بھی انسان کی بے چینیوں کا حل ڈھونڈنے کی سعی کی گئی ہے۔

مغرب مادیّت کا دلدادہ ہے، اور بُدھ بھی مادہ کے تغیرات کے علاوہ کسی بالاتری و قیوم ذات کا قائل نہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کی خصوصیّت یہ ہے، کہ یہ ایک طرح کے عملی تصوّف کو بھی فائق تر اخلاقی زندگی کے لئے ضروری مانتا ہے۔ اس کا نظریۂ نجات دو لفظوں میں یہ ہے، کہ اگر انسان اپنی ذات، اپنی خواہشات اور آرزوؤں سے دستبردار ہو جائے، اور اپنے کو پوری کائنات کا محض ایک حقیر چیز قرار دے لے۔ تو اس سے جملہ آلام اور مصائب خود بخود ختم ہو جاتے ہیں، اور یہی نروان یا نجات ہے۔ اس کے نقطۂ نظر سے تکلیف و مصیبت کا اصلی سرچشمہ انسان کا صرف یہ تنگ نظرانہ طرزِ فکر کہ یہ پوری کائنات سے اپنے کو الگ تصوّر کرے۔ اور اپنی ذات، مفادات اور خواہشوں کو عدل و انصاف کا پیمانہ قرار دے۔ بدھ کا کہنا ہے، کہ یہ انفرادیت اور شخصیّت ہی وہ محور ہے، جس کے گرد تمام فانی آرزوئیں گھومتی ہیں۔ جہاں انسان ان سے دستکش ہوا، اور اس نے یہ سمجھ لیا کہ اس عالمِ فنا و تغیر میں کوئی چیز بھی میری نہیں۔ کوئی چیز بھی باقی رہنے والی نہیں۔ اور میں محض اس سلسلۂ تغیرات اور نظامِ انقلابات کی ایک کڑی ہوں۔ آلام و افکار کے تمام بادل آپ سے آپ چھٹ گئے۔ اور نفس نے وہ دولت بے بہا پالی، جس کی کہ اس کو تلاش ہے۔

بدھ عالمِ اُخروی یا تناسخ کا قائل نہیں۔ اس کا فلسفہ حیات یہ ہے، جس کو بدھ لٹریچر میں، کرما فلاسفی کے نام سے پکارا جاتا ہے کہ صرف اعمال ہی باقی رہنے والے ہیں۔ یہ جسم فنا کے گھاٹ اترنے والا ہے، اور جسم کے دوسرے متعلقاتِ لطیف بھی جسم کے ساتھ ساتھ موت کا لقمہ بننے والے ہیں۔ اس کے خیال میں انسان کو چاہئے، کہ صرف اعمال ہی پر نظر رکھے، اور انہیں کو دوام بخشنے کی کوشش کرے۔ اور اس تشویش میں پڑ کر وقت ضائع نہ کرے، کہ مرنے کے بعد کیا ہو گا؟ بقائے روح پر ایک بُدھ عالم نے یہ کہہ کر طنز کیا ہے، جو روح آپ کے جسم کے ساتھ یہاں وفا نہیں کرتی، حالانکہ یہاں اسکی زیادہ احتیاج ہے، وہ کسی دوسرے عالم میں آپ کا کیا ساتھ دے سکے گی۔

بدھ کی تعلیمات کا نہایت روشن پہلو یہ ہے کہ اس میں تقلید و اذعان (DOGMA) کے لئے قطعی گنجائش نہیں۔ بدھ کا قول ہے کہ اپنے اعمال کی بنیاد غور و فکر پہ رکھو، حتیٰ کہ خود میرا ماننا بھی قطعی ضروری نہیں۔ اصلی چیز جس کی اطاعت ضروری ہے، وہ صداقت اور سچائی ہے۔ اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے، تو اس کی مذہبی تعلیم کو تین عنوانوں

میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :۔
(۱) راستبازی سے سوچنا۔
(۲) راستبازی سے سوچے ہوئے نتائج کو راستبازانہ طریق سے اپنے اعمال و کردار پر منطبق کرنا۔
(۳) تمام زندہ مخلوق کے ساتھ محبت و شفقت کے ساتھ پیش آنا۔

اس میں شبہ نہیں کہ برہمن ازم کے مقابلہ میں یہ فلسفہ حیات اپنی سادگی اور گہرائی کی وجہ سے بہت کامیاب رہا، اور اس پذیرائی و قبولیت کی اس نے اچھی خاصی قیمت بھی ادا کی۔ مگر کیا اس میں ذہن و فکر اور عمل و کردار کے تمام سوالات کا شافی جواب ملتا ہے؟ مسئلہ کے اس پہلو پر تنقید کی بڑی حد تک گنجائش ہے۔ اس نقطہ نظر میں بنیادی خامی یہ ہے۔ کہ اس میں تغیر و تبدّل کو کائنات کی اساس مانا گیا ہے۔ حالانکہ صرف تغیر کوئی چیز نہیں۔ دیکھنا یہ ہے، کہ فنا و تغیر کے اس غیر متناہی سلسلے کے سامنے تکمیل و اتمام کا کوئی نصب العین بھی ہے یا نہیں۔ اور یہ قافلہ ہست و بود کسی مخصوص سمت کی طرف بڑھ رہا ہے یا یونہی بے معنی اور غیر مرتب ادل بدل سے تعبیر ہے۔ اگر اس تغیر کے ساتھ ایک ارتقاء لگا ہؤا ہے۔ جیساکہ اب ہر کوئی تسلیم کرتا ہے، اور زندگی کا چہرہ پہلے سے کہیں زیادہ نکھر اور چمک رہا ہے۔ تو لامحالہ صرف تغیر کے بجائے ہمیں ارتقاء کو کائنات کی اساس ماننا پڑے گا۔ وہ ارتقاء جو حیران کن عقل و حکمت اور باقاعدہ ترتیب و نظم کو مقتضی ہے۔

بودھ کی تعلیمات اور فلسفہ میں دوسری خامی یہ ہے، کہ اس میں جبریت اور اخلاق میں مصالحت کرانے کی لاطائل جدوجہد کی گئی ہے۔ حالانکہ دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ اگر انسان کے اختیارات کے دائرے، کائنات کی ہمہ گیر مجبوریوں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور یہ ماضی و حال اور مستقبل کی اثر اندازیوں سے اس درجہ بے قابو ہے کہ مختلف طرزہائے عمل میں سے کسی ایک موقف کو اختیار کرنے کا اس کو اختیار ہی نہیں۔ تو اخلاقی شعور پیدا ہوچکا، اور فائق تر انسان منصۂ شہود پر آچکا جس کے بارہ میں بُدھ یہ کہتا ہے کہ یہ نجات یافتہ ہے، اور خواہشات اور آرزوؤں کے چکرّ سے مخلصی حاصل کئے ہوئے ہے۔

تعمیر اخلاق و سیرت کے باب میں یہ بات بھی ناقابلِ فہم ہے۔ کہ قدرِ اعلیٰ اور قدیر مطلق کو تسلیم کئے بنا کہ جو ہمہ خوبی و حسن ہو، انسان کے لئے کوئی ایسا محرک باقی رہ جاتا ہے، جو اس کو فضائل اعمال پر اُکساتا رہے، اور اس کے سامنے، تکمیل و اتمام اخلاق کے نت نئے دروازوں کو کھولتا رہے۔

بدھ کے فلسفہ میں ایک بڑا بگاڑ یہ بھی ہے کہ اس میں نفی ذات اور نفی حیات کی تلقین کی گئی ہے۔ حالانکہ اخلاق و مذہب کا نقطۂ آغاز ہی حیات و وجود کی سرمستیاں ہیں۔ اور مذہب کا کام ان کو ختم کرنا نہیں۔ بلکہ اس کے لئے صحت مند مصرف کی تعین کرنا ہے۔ اس لئے اگر کوئی تعلیم، زندگی کے حقائق کا انکار کرتی ہے اور انسان کے مضمرات ارتقاء کو روکتی ہے، تو اس پر بحث کرنا بے کار ہے۔

اس کی ایک تاریخی اور فلسفیانہ قدر و قیمت — تو ہو سکتی ہے، مگر اس میں مذہب اور منہاجِ حیات بننے کی صلاحیت قطعاً نہیں ہو سکتی۔

بہر حال بدھ ایک عظیم مفکر تھا، اور بہت بڑا صوفی تھا جس نے کہ کائنات پر اپنے نقطۂ نظر سے غور کیا، اور برسوں کے مجاہدہ و استغراق سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ راست بازی اور رحم دلی کے سوا اور کوئی چیز انسانی اعمال کو سنوارنے والی نہیں۔ ہم اصولی اختلاف رکھتے ہوئے بھی تہِ دل سے اس کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں، کہ اس نے حضرت مسیح سے تقریباً ۵۰۰ سو سال پہلے تمام عالمِ انسان کے سامنے زندگی کا ایک اونچا اور روشن نمونہ پیش کیا جس میں محبت و بے نفسی کی جھلکیاں بھی تھیں، اور حکمت و فلسفہ کی گہرائیاں بھی۔